ماہنامہ "بینات" کے دو مضمون

از محمد سرور

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی حال میں شائع شدہ انگریزی کتاب **ISLAM** کے ایک باب کا جو "قرآنِ مجید" پر ہے، اُردو ترجمہ "فکر و نظر" میں چھپا ہے۔ اس پر ماہنامہ "بینات" میں مولانا محمد ادریس میرٹھی نے "فنِ قرآن کیا ہے"۔ اور مولانا محمد یوسف ماموں کانجن نے "ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور انکار قرآن" کے عنوانوں سے اپنے مضامین میں تنقید کی ہے۔

یہ سطریں اس تنقید کے جواب میں لکھی جا رہی ہیں۔ (محمد سرور)

ہمارے ان بزرگوں کا قرآن مجید سے متعلق ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی بعض آراء سے غم و غصہ میں آپے سے باہر ہو جانا بالکل فطری ہے۔ کیونکہ آج سائنس اور فلسفہ ترقی کی جس منزل پر پہنچ کر الٰہیات کا جائزہ لے رہا ہے، ہمارے بزرگ اس سے بالکل ناواقف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا مخاطب دراصل وہ طبقہ ہے، جو موجودہ سائنس اور فلسفہ پر نظر رکھتا ہے، اور موصوف نے اسی طبقے کو قرآن مجید سے متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے "بینات" کے مضمون نگار بزرگ اس سائنس اور فلسفہ کی اولیات سے بھی بے خبر ہیں اس لئے ان کا ڈاکٹر صاحب کی آراء سے اتنا مشتعل ہو جانا غیر متوقع نہیں۔

علامہ اقبالؒ کے انگریزی خطبات میں سے پہلا خطبہ "علم اور مذہبی مشاہدات" پر ہے۔ یہاں اس سے بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں

الٰہیات اسلامیہ کا جمود اور آج کا دور علامہ اقبال فرماتے ہیں[1]:۔ "پچھلے پانچ سو برس سے

---

[1] اردو ترجمہ جناب سیّد نذیر نیازی صاحب کا ہے (از تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ)

الہیات اسلامیہ پر جمود کی ایک کیفیت طاری ہے۔ وہ دن گئے جب یورپ کے افکار دنیائے اسلام سے متاثر ہوا کرتے تھے۔ تاریخ حاضرہ کا سب سے توجہ طلب مظہر یہ ہے کہ ذہنی اعتبار سے عالم نہایت تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس تحریک میں بجائے خود کوئی خرابی نہیں، کیونکہ جہاں تک علم وحکمت کا تعلق ہے، مغربی تہذیب دراصل اسلامی تہذیب ہی کے بعض پہلوؤں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ لیکن اندیشہ یہ ہے کہ اس تہذیب کی ظاہری آب وتاب کہیں اس تحریک میں حارج نہ ہو جائے اور ہم اس کے حقیقی جوہر، ضمیر اور باطن تک پہنچنے سے قاصر رہیں۔"

اس کے بعد علامہ مرحوم موجودہ علمی ترقیوں کا ذکر کرتے ہیں:۔

"بات یہ ہے کہ پچھلی متعدد صدیوں میں جب عالم اسلام پر ذہنی غفلت اور بے ہوشی کی نیند طاری تھی، یورپ نے ان مسائل میں نہایت گہرے غور وفکر سے کام لیا جن سے کبھی مسلمان فلسفیوں اور سائنس دانوں کو دلی شغف رہا ہے۔ قرون وسطی سے لے کر اب تک جب اسلامی الہیات کی تکمیل ہوئی، انسانی فکر اور تجربے کی دنیا میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو چکی ہے۔ فطرت کی تسخیر اور اس پر غلبے نے انسان کے اندر ایک تازہ یقین اور ان قوتوں پر جن سے اس کے ماحول نے ترکیب پائی، فضیلت کا ایک نیا احساس پیدا کر دیا ہے۔ نئے نئے نقطہ ہائے نظر ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ قدیم مسائل کو جدید تجربات کی روشنی میں حل کیا جا رہا ہے۔ نیز کئی ایک اور نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے عقلِ انسانی زمان ومکان اور علیت ایسے بنیادی مقولات کی دنیا سے بھی آگے نکل جائے گی۔ پھر جوں جوں افکار سائنس ترقی کر رہے ہیں، انسانی علم وادراک کے متعلق بھی ہمارے تصورات بدل رہے ہیں۔ آئن اشٹائین کے نظریے نے کائنات کو ایک نئے روپ میں پیش کر دیا ہے اور ہم محسوس کر رہے ہیں کہ اس طرح ان مسائل پر بھی جو فلسفہ اور مذہب میں مشترک ہیں، نئے نئے زاویوں کے ماتحت غور کرنا ممکن ہو گیا ہے۔"

نئی پود کا مطالبہ "لہذا اگر اسلامی ایشیا اور افریقہ کی نئی پود کا مطالبہ ہے کہ ہم اپنے دین کی تعلیمات پھر سے اجاگر کریں تو یہ کوئی عجب بات نہیں۔ لیکن مسلمانوں کی اس تازہ بیداری کے ساتھ اس امر کی آزادانہ تحقیق نہایت ضروری ہے کہ مغربی فلسفہ ہے کیا، علی ہذا یہ کہ الہیات اسلامیہ کی نظر ثانی بلکہ ممکن ہو تو تشکیل جدید میں ان نتائج سے کہاں تک مدد مل سکتی ہے، جو اس سے مترتب ہو۔"

وسط ایشیا میں کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثر کا ذکر کرتے ہوئے علامہ مرحوم کہتے ہیں :۔

" لہذا وقت ہے کہ ہم اسلام کے بنیادی اصولوں کا جائزہ لیں۔ چنانچہ ان خطبات میں بھی میرا یہی ارادہ ہے کہ اسلام کے بعض اساسی افکار کی بحث فلسفیانہ نقطہ نظر سے کریں تاکہ اور نہیں تو بہت ممکن ہے ہم اس حقیقت ہی کو آسانی سے سمجھ سکیں کہ بحیثیت ایک ایسے پیام کے جس کا خطاب ساری نوع اسلامی سے ہے، اسلام کے معنی کیا ہیں"۔

اس دور میں علامہ اقبال کے خطبات نے حقیقی معنوں میں مسلمان دانش وروں کو یہ راہ دکھائی ہے، اور اس سلسلے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن جو کچھ لکھ رہے ہیں، وہ دراصل اسی راہ پر ان کی اپنی بساط کے مطابق چلنے کی کوشش ہے۔

عراق کے مشہور شاعر الزھاوی کی زبان میں ہم اپنے ان مخدوم بزرگوں سے یہ عرض کریں گے :۔

یاشیب لستم للوغیٰ فتأخروا	وبداریا شبان ثم بدار
وتحرروا من قید کل عقیدۃ	سوداء ما فیہا ھدی للساری
امن اکتفی بخرافۃ ھو مومن	ومن امتری فیہا من الکفار
ولدی النھایۃ جاھل فی جنۃ	فیہا النعیم وعالمٌ فی النار[1]

اسلامی الٰہیات اور بالخصوص قرآن مجید کا آج کے علم و فلسفہ کی مدد سے جائزہ لینا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں علامہ اقبال کے ارشادات سنیئے، فرماتے ہیں :۔

" پروفیسر وائٹ ہیڈ نے کیا خوب کہا ہے۔" مذہب کا ہر عہد عقلیت کا عہد تھا۔" لیکن مذہب کو عقلی رنگ میں پیش کیا جائے تو اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ فلسفہ کو مذہب پر فوقیت حاصل ہے .... مذہب فلسفہ کا کوئی شعبہ نہیں۔ کیونکہ یہ محض فکر ہے نہ احساس نہ عمل، بلکہ انسان کی ذات کلی کا مظہر"۔

---

[1] اردو ترجمہ یہ ہے : اے بوڑھو! تم لڑائی کے قابل نہیں۔ پس پیچھے ہٹ جاؤ اور جلدی کرو نوجوانو اور جلدی کرو۔ ہر تاریک عقیدے کی چنگل سے، جس میں راہ رو کے لئے ہدایت نہیں، آزاد ہو جاؤ۔ جو خرافات کو کافی سمجھ لے، وہ تو مومن ہو۔ اور جو اس میں شک کرے، وہ کفار میں سے ہو اور آخر میں جاہل تو جنت میں ہو، جس میں کہ نعمتیں ہوں اور عالم آگ میں ہو۔

فلسفہ کا مصدر و منبع فکر ہے اور مذہب کا وجدان۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں :۔

"..... پھر اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ فکر اور وجدان بالطبع ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں کا سرچشمہ ایک ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا سبب بنتے ہیں۔ ایک جزواً جزواً حقیقت مطلقہ پر دسترس حاصل کرتا ہے۔ دوسرا من حیث الکل۔ ایک کے سامنے حقیقت کا دوامی پہلو ہے، دوسرے کے زمانی۔"

مذہبی مشاہدات ذاتِ الٰہیہ کا ادراک مذہبی مشاہدات ہی سے ہوتا ہے اور اس کا ذریعہ قلب یعنی وجدان یا اندرونی بصیرت ہے۔ علامہ اقبال اس بارے میں فرماتے ہیں :۔

"قرآن مجید کے نزدیک قلب کو قوت دید حاصل ہے۔ اور اس کی اطلاعات، بشرطیکہ ان کی تعبیر صحت کے ساتھ کی جائے، کبھی غلط نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی پُراسرار قوت ہے۔ اسے دراصل حقیقت مطلقہ تک پہنچنے کا وہ طریق ٹھہرانا چاہیئے جس میں باعتبار عضویات حواس کا مطلق دخل نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ اس طرح حصول علم کا جو ذریعہ پیدا ہوتا ہے، ویسا ہی قابل اعتماد ہوگا، جیسے کسی دوسرے مشاہدے سے اور جسے اگر باطنی یا صوفیانہ یا فوق العادۃ ٹھہرایا جائے تو بحیثیت مشاہدہ اس کی قدر و قیمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔"

علامہ صاحب کے نزدیک ان صوفیانہ مشاہدات کی پہلی قابل ذکر بات حضوریت ہے۔ دوسری خصوصیت ان کی ناقابل تجزیہ کلیت ہے، اور خود ان کے الفاظ ہیں :۔

"تیسری قابل ذکر بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ صوفی کا 'حال' ایک لمحہ ہے کسی ایسی فرید و وحید اور یکتا ہستی سے گہرے اتحاد کا جو اس کی ذات سے ماوراء مگر اس کے باوجود اس پر محیط ہوگی اور جس میں صاحب واردات کی شخصیت گویا ایک لحظے کے لئے کالعدم ہو جاتی ہے ....."

صوفیانہ مشاہدات کی تعبیر علامہ مرحوم کے الفاظ میں " پھر بہ اعتبارِ نوعیت صوفیانہ مشاہدات چونکہ براہ راست ہی تجربے میں آتے ہیں، لہٰذا ان مشاہدات کو دوسروں تک جوں کا توں پہنچانا ناممکن ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ فکر کی بجائے زیادہ تر احساس کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔

" لہٰذا صوفی یا پیغمبر جب اپنے مذہبی شعور کی تعبیر الفاظ میں کرتا ہے، تو اسے منطقی قضایا ہی کی شکل دے سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا مشمول من وعن دوسروں تک منتقل کر سکے۔ چنانچہ ذیل کی آیات میں بھی جس حقیقت

کا بیان مقصود ہے، وہ ان مشاہدات کی نفسیات ہے نہ کہ ان کا مشمول

وماکان لبشرٍان یکلمہ اللہ الا وحیاً أومن وراء حجاب أو یرسل رسولاً فیوحی باذنہ مایشاء انہ علیٌ حکیم (۴۲ : ۵۱)

والنجم اذا ھویٰ ماضل صاحبکم وماغوی ومانیطق عن الھوی ان ھوالا وحیٌ یوحی علمہ شدید القوی ذومرۃ فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین أو ادنیٰ فاوحیٰ الی عبدہٖ مااوحیٰ ماکذب الفواد مارای افتمرونہ علی مایری ولقد راہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتھی عندھا جنۃ الماویٰ اذیغشی السدرۃ مایغشی مازاغ البصر وماطغی لقدرائ من آیات ربہ الکبری [1]

وحی باللفظ اور وحی بالمعنی علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ”ہمارے دوسرے احساسات کی طرح صوفیانہ احساس میں بھی تعقل کا ایک عنصر شامل رہتا ہے اور میں سمجھتا ہوں، یہی مشمول تعقل ہے جس سے بالآخر اس میں فکر کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔“ علامہ مرحوم یہاں پر پروفیسر ہاکنگ کی ایک عبارت کا جو پہلے پیش کی گئی ہے، حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اس عبارت سے یہی ثابت نہیں ہوتا کہ مذہب کے اندر فکر بھی شامل رہتا ہے۔ اس سے کچھ اور حقائق بھی ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ احساس اور فکر میں چونکہ ایک نامی رشتہ کام کر رہا ہے۔ لہذا یوں وہ قدیم نزاع بھی جس کا تعلق وحی باللفظ سے تھا اور جس نے ایک زمانے میں الہیین اسلام کو طرح طرح کی مشکلات میں ڈال رکھا تھا، حل ہو جاتا ہے۔ غیر واضح احساس کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنا اظہار فکر کے پیرائے میں کرے۔ رہا فکر سو وہ خود اپنے وجود سے اپنا مرئی پیکر تلاش کر لیتا ہے لہذا یہ کہنا کوئی استعارہ نہیں کہ فکر اور لفظ بیک وقت احساس کے بطن سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ منطقی فہم ان کی زمانی ترتیب کو دیکھتا ہے۔ اور یوں انہیں ایک دوسرے سے الگ ٹھہراتے ہوئے اپنے لئے طرح طرح کی مشکلات پیدا کر لیتا ہے۔ بہر حال ایک معنی میں الفاظ بھی وحی ہوتے ہیں [2]

---

[1] ڈاکٹر فضل الرحمن نے لکھا ہے کہ ان آیات میں رسول اللہ صلعم کے ایک روحانی تجربہ کا بیان ہے۔

[2] اس ضمن میں ڈاکٹر فضل الرحمن کی عبارت ملاحظہ ہو: ”احساسات، تصورات اور الفاظ کے درمیان

ڈاکٹر فضل الرّحمن نے اپنے مضمون میں ایک جگہ لکھا ہے :- آپؐ (آنحضرت صلعم) پر ایسے لمحات بھی آتے تھے جب کہ آپؐ، جیساکہ ہوتا تھا، اپنے آپ سے پرے گزر جاتے تھے۔ اور آپؐ کا اخلاقی عارفانہ ادراک اتنا تیز اور شدید ہو جاتا کہ آپؐ کا شعور اور خود اخلاقی قانون ایک ہو جاتے۔

اسی روحانی کیفیّت کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے :-

" پھر جب صوفی کسی ذات سرمدی سے اتحاد و اتصال کی بدولت یہ محسوس کرتا ہے کہ زمان متسلسل کی کوئی حقیقت نہیں تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ زمان تسلسل سے اس کا رشتہ سچ مچ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے کہ اپنی یکتائی کے باوجود صوفیانہ مشاہدات اور ہمارے روزمرّہ کے محسوسات و مدرکات ہیں کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور کام کر رہا ہے، جس کا ثبوت یہ ہے صوفیانہ احوال تادیر قائم نہیں رہتے۔ گو صاحبِ حال پر وثوق و اعتماد کا نہایت گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔

" بہر حال صوفیہ ہوں یا انبیاء، دونوں طبعی واردات کی دنیا میں واپس آجاتے ہیں، لیکن جیساکہ ہم آگے چل کر عرض کریں گے، فرق ہے تو یہ کہ نبی کی بازگشت سے نوع انسانی کے لئے بڑے بڑے دُور رس نتائج مترتب ہوتے ہیں "

اب ہم حضرت شاہ ولی اللہؒ سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن نے اپنے مضمون میں لکھا ہے :- کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں نے وحی کی خارجیت پر بہت زور دیا تاکہ وہ اس طرح وحی کی ماورائیت، معروضیت اور لفظاً نازل ہونے کی حیثیت کو محفوظ و مستحکم کر سکیں. موصوف کا کہنا ہے کہ یقیناً قرآن نے خود وحی کی ماورائیت، معروضیت اور اس کے لفظاً نازل ہونے کا اثبات کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسی طرح اس نے یقیناً وحی کی خارجیت کو یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے مقابلے میں

؎ یقیناً ایک نامیاتی و فطری رشتہ پایا جاتا ہے ..... جب رسول اللہ صلعم کا اخلاقی وجدانی ادراک ترقی کر کے بلند ترین درجے پر پہنچا اور وہ ادراک خود اخلاقی قانون کا عین بن گیا تو الہام کے ساتھ الفاظ کا بھی نزول ہوا چنانچہ قرآن مجید خالصاً کلام الہی ہے، لیکن بے شک اس کے ساتھ وہ اتنا ہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمیق ترین شخصیت سے بہت زیادہ مربوط ہے ....."

مسترد کیا ہے ......"

نیز ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے :۔ ....." راسخ العقیدگی (اور یقیناً قرون وسطی کا تمام فکری سرمایہ) ایسے ضروری عقلی ذرائع سے محروم تھی، جن سے ایک طرف وہ اپنے نظام معتقدات کی تشکیل میں وحی کی ماورائیت اور لفظاً نازل ہونے کی حیثیت اور دوسری طرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے عمل اور آپؐ کی مذہبی شخصیّت کو باہم ملا سکتی۔ یعنی یہ راسخ العقیدگی اتنی عقلی استعداد نہ رکھتی تھی کہ یہ دونوں باتیں کہہ سکتی کہ قرآن پورے کا پورا کلام اللہ ہے اور عام معنوں میں یہ اسی طرح پورے کا پورا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی ہے ...."

شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ میں "حقیقت نبوت اور اس کے خواص" کے باب میں لکھتے ہیں[1] :۔

"معلوم ہونا چاہیئے کہ مختلف قسم کے لوگوں کے طبقات میں سب سے اعلیٰ اور بلند و بالا طبقہ "مفہمین" کا ہے۔ یہ مفہمین ایک خاص اصطلاح اور مخصوص طریق اصلاح کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی ملکی قوت انتہا درجہ بلند ہوا کرتی ہے۔ داعیہ حقانی، جذبات حق کے ساتھ نظام مطلوب کا قائم کرنا ان کے لئے سہل اور آسان ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ نظام مطلوب قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ سے ان پر علوم عالیہ اور احوال الٰہیہ مترشح ہوا کرتے ہیں۔"

شاہ صاحب نے مفہم کی سیرت اور مفہمین کی مختلف قسموں کا بیان کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ مفہم کی ایک قسم وہ ہے، جسے "نبی" اور پیغمبر کہتے ہیں۔ آگے چل کر رسول اللہ صلعم کا یوں ذکر فرماتے ہیں :۔

"ہمارے پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان تمام انبیائے کرام سے بلند و بالا ہے۔ مفہمین کے تمام کمالات اور فنون و علوم آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھے۔ دونوں قسم کی بعثت آپؐ کو بدرجہ کمال حاصل تھی۔ آپؐ کے پیشتر جو انبیاء اور پیغمبر ہوئے، ان میں کسی کے اندر مفہمین کے فنون و علوم اور کمالات میں سے کوئی ایک فن اور کمال موجود تھا۔ کسی میں

---

[1] حجتہ اللہ البالغہ کے اقتباسات مولانا محمد اسمٰعیل گودھری کے اردو ترجمہ شائع کردہ شیخ غلام علی سے ماخوذ ہیں۔

دو اور کسی میں کچھ زیادہ ....."

سرسیدؔ نے سورہ الانعام کی تفسیر کرتے ہوئے اس مسئلے پر بحث کی ہے :۔ نبوت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے۔ بلکہ نبوت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکہ نبوت رکھا ہے، وہی نبی ہوتا ہے ....."

اس بارے میں سرسیدؔ نے "تفسیر کبیر" سے امام فخرالدین رازی سے یہ عبارت نقل کی ہے :۔

"... بعضوں نے کہا ہے کہ نفوس اور ارواح تمام ماہیت میں سب برابر ہیں۔ پس نبوت اور رسالت کا ایک کو ملنا اور دوسرے کو نہ ملنا خدا کی طرف سے شرف دینا اور احسان کرنا اور بزرگی دینا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ نہیں نفوس بشری اپنے جوہر اور اپنی ماہیت میں مختلف ہیں۔ بعضے ان میں سے برگزیدہ اور علائق جسمانیات سے پاک اور انوار الٰہیہ سے روشن اور بلند درجہ پر منور ہوتے ہیں اور بعضے ان میں سے خسیس .... ہوتے ہیں۔ پس نفس جب تک کہ قسم اوّل سے نہ ہو، وہ وحی اور رسالت کے قبول کی صلاحیت نہیں رکھتا ...." (سرسیدؔ نے امام رازی کی اصل عربی عبارت نقل کی ہے)

اس کے بعد سرسیدؔ لکھتے ہیں :۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی تفہیمات میں اسی رائے کے مؤید معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ یہ رائے کہ نبوت محض خدا کا فضل ہے، قرون اولی کی نہیں ہے۔ شاہ صاحب کا اقتباس ملاحظہ ہو :۔

حقیقة النبوة ان یرید اللہ لعبادہ اصلاحاً فیتدلی الیهم بوجود لیشبه الوجود العرضی قائم برجل زکی الفطرة تام الاخلاق تنبه منه اللطیفة الانسانیة لا یقال ذهب علماء اهل السنة الی ان نبوة محض فضل من اللہ تعالیٰ من غیر خصوصیة من العبد وانت تثبت لهم خصوصیة فی استعدادهم لانا نقول هذا قول نشأ بعد القرون المشهود لها بالخیر فان مدلول الکتاب والسنة وما اجمع علیه السلف هو ان الخصوصیة التی ترجع الی کثرة المال وصباحة الوجه وغیر ذلك من الصفات التی یفتخر بها العامة لا دخل لها فی النبوة وکان الکفار یقولون اما کان اللہ یجد رجلاً لرسالة سوی یتیم ابی طالب لولا انزل القرآن علی رجل من القریتین عظیم فکشف اللہ تعالیٰ الشبه واشبع فی الرد واما الصفات الباطنیة

التی یتکلم فیها فلاشبهۃ ان الانبیاء اتم الخلق فیها واقواهم اخلاقاً وازکاهم نفساً ومن انکر ذلك لا یستحق ان یتکلم لبعدہ عن سیر الانبیاء راساً الا تری ان هرقل کیف قال وکذلك الانبیاء تبعث فی نفس قومها وبالجملۃ فللرسالۃ رکنان رکنٌ قابلیتہ عن الرسول ورکن تدل وتدبیر من المرسل (التفہیمات)

ترجمہ[1]: نبوت کی یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح کا ارادہ کرے اور ان کی طرف ایک خاص توجہ اور عنایت مائل کرے بسبب وجود کے جو قائم ہو ایک انسان کامل اور پاک طینت عمدہ خصلت میں جس کا لطیفہ بیدار اور خبردار ہو۔ یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ سب علماء اسلامیہ کا یہ قول ہے کہ نبوت محض خدا کا فضل ہے۔ بندہ کی خصوصیت کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اور اس تمہاری تقریر سے ان کے لئے ایک خصوصیت استعداد کی ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قول بہت پیچھے بعد انقضائے قرون مشہود لہا بالخیر کے پیدا ہوا ہے کہ کتاب اللہ اور حدیث اور اجماع سلف سے ثابت ہے کہ خصوصیت کثرۃ مال اور خوبی چہرہ کو (اور ایسی ہی اور صفات جن کو عام لوگ موجب فخر جانتے ہیں) نبوت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کفار یہ کہا کرتے تھے کہ خدا کو اس ابو طالب کے یتیم کے سوا کوئی آدمی رسالت کے لئے نہ ملا۔ کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔ خدا تعالیٰ نے اس شبہ کو کھول دیا اور صاف طور سے ان کے قول کو رد کر دیا۔ اور صفات باطنیہ جن میں ہم کلام کرتے ہیں، وہ بلاشبہ انبیاء میں بہت زیادہ تھیں۔ انبیاء سب خوبیوں کے پوری طرح جامع تھے۔ ان کے اخلاق بہت اچھے تھے۔ وہ نہایت پاک ذات تھے۔ جو اس کا منکر ہے وہ کسی طرح اس لائق نہیں ہے کہ اس سے کلام کیا جاوے کہ وہ انبیاء کے خصائل اور خوبیوں سے بالکل دور ہے۔ کیا نہیں معلوم کہ ہرقل نے کہا تھا کہ انبیاء ایسے ہی ہوتے ہیں اپنی قوم کے عمدہ خاندان میں سے بھیجے جاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رسالت کے دو رکن ہیں۔ ایک رکن استعداد اور قابلیت نبی کا اور دوسرا رکن توجہ اور عنایت اور تدبیر الٰہی کا۔

---

[1] یہ ترجمہ بھی تفسیر سے ماخوذ ہے۔

ہمعات میں شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی مسئلے کو یوں پیش فرمایا ہے[1]:

"مفہمیّت کی حقیقت یہ ہے کہ جب نفس ناطقہ نسمہ کی غیر لطیف قوتوں سے اعراض کر لیتا ہے تو وہ ملاء اعلیٰ سے ملحق ہو جاتا ہے[2] اس حالت میں وہ علمی صورتیں منکشف ہو جاتی ہیں جو ملاء اعلیٰ میں موجود ہوتی ہیں"

اس سے آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

"مفہمیت کو نور نبوت اور وراثت نبوت بھی کہتے ہیں۔ جہاں تک اصل نبوت کا تعلق ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ نبوت دو جانب سے معرض وجود میں آتی ہے۔ اس کی ایک جانب تو نبوت قبول کرنے والے کی ہوتی ہے۔ یعنی نبی کے نفس ناطقہ کی۔ جب نفس ناطقہ مقام مفہمیت حاصل کر لیتا ہے تو نبوت کی ایک شرط یا ایک جانب پوری ہو جاتی ہے۔ نبوت کی دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کا مبعوث کیا جانا ہے . . . ."

سورہ الاعراف کی تفسیر میں سرسیّد نے شاہ ولی اللہ کی کتاب تفہیمات سے ایک اور عبارت نقل کی ہے، جس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں :۔

اعلم ان النبوة من تحت الفطرة کما ان الانسان قد یدخل فی صمیم قلبه وجذر نفسه علوم و ادراکات علیها تبتنی ما یفاض علیه من رویاه فیری الامور مشبحه بما اختزنه دون غیرها . . . . .

ترجمہ[3]: یہ بات جان لینی چاہیئے کہ نبوت فطرت کے ماتحت ہے جیساکہ انسان کے کبھی دل میں بہت سے علوم اور باتیں جم کر بیٹھ جاتی ہیں اور انہی پر مبنی ہوتی ہیں وہ چیزیں جو اس پر اس کے

---

[1] ترجمہ راقم السطور کے ہمعات کے اردو ترجمہ سے ماخوذ ہے۔

[2] ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی عبارت ملاحظہ ہو:۔ آپؐ پر ایسے لمحات بھی آتے تھے جب کہ آپؐ، جیساکہ ہوتا تھا، اپنے آپ سے پرے گزر جاتے تھے۔ اور آپؐ کا اخلاق عارفانہ ادراک اتنا تیز اور شدید ہو جاتا کہ آپ کا شعور اور خود اخلاقی قانون ایک ہو جاتے۔

[3] ترجمہ سرسیّد کا ہے۔

رویا میں فائض ہوتی ہیں۔ پھر وہ ان چیزوں کی صورتوں کو دیکھتا ہے جس کو اس نے پیدا کیا ہے نہ اس کے سوا اور کسی کو۔ ایسے ہی ہر ایک قوم اور اقلیم کی ایک فطرت ہے، جس پر ان کی سب باتیں پیدا کی گئی ہیں، جیسے جانور کے ذبح کرنے کو بُرا جاننا اور عالم کو قدیم کہنا یہ ایک فطرت ہے کہ فطرت ہنود کی اس پر ہے اور ذبح جانور کو جائز ماننا اور عالم کو حادث کہنا فطرت ہے جس پر بنی سام یعنی عرب اور فارس مخلوق ہوئے ہیں۔ نبی جو آیا کرتا ہے، وہ ان کے علوم اور اعتقادات اور اعمال میں تامل کیا کرتا ہے، جو اُن میں سے موافق تہذیب نفس کے ہوتا ہے۔ اس کو ثابت رکھتا ہے اور ان کو وہی راہ چلاتا ہے اور جو تہذیب نفس کے خلاف ہو، اس سے منع کرتا ہے۔ . . . "

اس عبارت کا آخری حصّہ یہ ہے:۔ اما مسئلۃ قدم العالم وحدوثہ ومسئلۃ التناسخ و مسئلہ تحریم الذبح وحلہ ومسئلۃ الصفات للّٰہ التی من التجدد والمنتقل والصفات المحدثۃ کالرؤیۃ والنزول والارادۃ المتجددۃ والبداء وغیر ذلک فانھا کلھا من الفطرۃ والمادۃ لیست بحث عن ذلک بالاصالۃ۔

ترجمہ[1] : اور مسئلہ قدم عالم اور حدوث عالم اور مسئلہ تناسخ اور مسئلہ حرام ہونے ذبح جانور کا اور حلال ہونے جانور کا اور مسئلہ صفات کا جو کہ بدلتے رہتے ہیں اور صفات جو کہ حادث ہیں جیسے دیکھنا اور اترنا اور نیا ارادہ اور ایسے ہی اور صفات۔ پس یہ مسئلہ فطرتی ہے اور بمنزلہ مادہ کے ہے۔ اور ایسے مسائل سے اصلی طور پر نبی بحث نہیں کرتا ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے مضمون سے دو مختصر اقتباسات پیش نظر ہیں۔

(۱) "واقعہ یہ ہے کہ بنیادی اعتبار سے قرآن کا مرکز انسان اور اس کی فلاح ہے۔"

(۲) قرآن اولاً اور مقدماً مذہبی اور اخلاقی اصولوں، نصیحتوں اور ہدایتوں کی کتاب ہے اور وہ قانونی دستاویز نہیں، لیکن وہ یقیناً، بعض اہم قانونی اعلانات پر بھی مشتمل ہے، جو مدینہ میں ملّی ریاست کے دوران تشکیل جاری ہوتے رہے۔ . . . . . جیسے جیسے مسائل پیدا ہوتے تھے، ان سے آہستہ آہستہ تجربی طریقے پر قانوناً نمٹا جاتا تھا۔"

---

[1] یہ سرسیّد کا ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے نزول وحی پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے :۔ "(بعد کی صدیوں میں) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی کو تمام تر کانوں سے سنی جانے والی اور آپؐ کی ذات سے خارج چیز بنا دیا اور اس فرشتے اور "الروح الامین" کو جو آپؐ کے دل پر وحی لے کر نازل ہوتا تھا، تمام تر ایک خارجی عامل قرار دے دیا۔"

یہ بحث بڑی دقیق ہے اور بہت سے اہل معرفت علماء نے جبرئیل اور حقیقت جبرئیلیہ پر گفت گو کی ہے۔ ہم یہاں شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت جبرئیل آنحضرت صلعم کے پاس آتے تھے۔ آپؐ ان کو دیکھتے تھے اور ان سے گفت گو کرتے تھے، لیکن دوسروں کو نظر نہیں آتے تھے۔۔۔۔"

اس قسم کی احادیث و روایات پر غور کرنے کے تین طریقے ہیں۔ یا تو ظاہر احادیث کا اقرار کر لیا جائے جب اس کا اقرار کر لیا جائے تو پھر ہم نے جس عالم کا ذکر کیا ہے (عالم مثال) اس کے ماننے کے لئے وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اہل حدیث کا قاعدہ بھی اس امر کا مقتضی ہے۔ اور علامہ سیوطی بھی اسی کی طرف گئے ہیں۔ اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔ اور یہی میرا مذہب ہے۔

یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ واقعات صرف دیکھنے والے کی قوت حاسہ پر وارد ہوتے ہیں اور محض اسی کی نگاہ پہ متشکل ہوتے ہیں اور خارجی دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہی قول ہے ۔۔۔۔۔

"یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بطور مثال پیش کی گئی ہیں جن کی حقیقت اور معنی یہ نہیں ہیں، بلکہ اور ہی کچھ ہیں، لیکن میں نے ارباب حق کو تیسرے معنی پر اکتفا کرتے نہیں دیکھا۔ قرآن میں انبیاء سابقین کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے، اُس کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے لکھا ہے :۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت و معنویت کے لئے یہ سوال کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ قرآن نے انبیاء سابقین کے جن حالات و واقعات کا ذکر کیا ہے ان کا مواد کہاں سے اخذ کیا گیا تھا؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی معنویت اس مقصد میں پنہاں ہے، جس کے لئے یہ مواد استعمال کیا گیا۔ اس لئے دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس مواد سے کیا کام لینا مقصود تھا ۔۔۔۔۔"

اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی ایک عبارت جو حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے۔ اور "حقیقت

نبوت اور اس کے خواص" کے باب میں ہے، ملاحظہ ہو:-

"اور یہ بھی انبیاء کرام کی سیرت میں داخل ہے کہ وہ تہذیب نفس اور ملت کی سیاست کے سوا دوسرے امور میں مشغول نہ ہوں۔ مثلاً وہ ان امور سے کوئی تعرض نہیں کرتے کہ عالم جو اور فضا میں جو حوادث و واقعات پیدا ہوتے ہیں، ان کے اسباب کیا ہیں۔ . . . اور انبیاء کرام، سلاطین و ملوک، شہروں اور مملکتوں کے قصے اور حالات وغیرہ سے بھی تعرض نہیں کیا کرتے۔

اگر ان امور کا کبھی ذکر بھی کرتے ہیں تو بہت کم کہ جن سے ان لوگوں کے کان آشنا ہوتے ہیں اور ان کی عقلیں ان سے مانوس ہوتی ہیں اور وہ بھی بطور "تذکیر بالاء اللہ" اور "تذکیر بایام اللہ" یعنی خدا کی نعمتوں کی یاد دہانی اور تاریخی واقعات سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کی غرض سے۔ اور پھر یہ بھی محض استطراداً اور متبعاً اور اجمالی طور پر کہ جس کا کچھ مضائقہ بھی نہیں اور پھر وہ بھی استعارات اور مجازات کی شکل میں۔

ان امور پر اور بھی کچھ معروضات کی جا سکتی ہیں اور انشاء اللہ بعد میں کی جائیں گی۔ لیکن ہم اپنے ان بزرگوں سے جنہوں نے "بینات" میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بیانات کی تردید میں ایسا لہجہ اور ایسی زبان اختیار کی ہے، جو علمی موضوعات پر بحث کرتے وقت کبھی نہیں استعمال ہوتی، عرض کریں گے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی "خرافات" کا جواب دینے سے پہلے اگر آپ حضرت شاہ ولی اللہ کو پڑھنے کی تھوڑی سی زحمت گوارا فرما لیتے تو غالباً ڈاکٹر صاحب کو آپ یوں مخاطب کرنے کی ضرورت نہ محسوس کرتے۔

بات دراصل یہ ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے لکھا ہے:- "پچھلے پانچ سو برس سے الٰہیات اسلامیہ پر جمود کی ایک کیفیت طاری ہے۔" چنانچہ یہ چیخ پکار جو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف "بینات" اور اس جیسے دوسرے رسائل سے آئے دن بلند ہوتی رہتی ہے۔ یہ نہ تو "عنداللہ مسئولیت سے بچنے کے لئے ہے" اور نہ اس کا کوئی حقیقی اسلام سے تعلق ہے۔ یہ چیخ پکار محض "ٹوٹتے" ہوئے جمود کی صدائیں ہیں۔